عطیۂ عرشی زادہ

تحریکِ ندوۃ العلماء

اور

اس کا بلند مقامِ داعی

نمبر درآمد ۳۱۱۹۷
رامپور رضا لائبریری

Re. 1/-

مولانا ابوالحسن علی ندوی

رامپور رضا لائبریری کے لئے
من جانب عرشی زادہ
۲۷ اپریل ۱۹۷۶ء

عطیۂ عرشی زادہ

تحریکِ ندوۃ العلماء

نمبر درآمد ۳۱۱۹۷
رام پور رضا لائبریری

اور

اُس کا بلند مقام و داعی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عطیۂ عرشی زادہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ ندوۃ العلماء

اور

اُسکا بلند مقام داعی

تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی پورے عالم اسلام میں سیاسی زوال اور فکری اضمحلال کی صدی ہے، اسی صدی میں عالم اسلام کے نہایت اہم زرخیز و مردم خیز ملک مغربی اقوام کے غلام بنے، ہر جگہ اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم کو موت وزلیست کی کشمکش سے سابقہ پڑا، عالم اسلام میں نئے نئے دینی فتنے، گمراہ کن تحریکیں یہاں تک کہ مدعی نبوت تک پیدا ہوئے، عیسائی مبلغین نئے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں آئے، نئے نظامِ تعلیم نے جو خالص مادی بنیادوں پر قائم تھا سارے اسلامی ممالک پر اپنا سایہ پھیلایا، عالمِ اسلام کے یہ حالات اس بات کے لئے بالکل کافی تھے کہ ذہانت و جرأت کے سب سوتے خشک اور اسلامی فکر وحیات کا درخت خزاں رسیدہ اور بے برگ وبار ہوجائے، لیکن قدرت الٰہی کی عجب کرشمہ سازی ہے کہ جیسا کہ اس سے پہلے بھی کئی بار ہوا ہے، اسی صدی میں عالم اسلام میں متعدد ایسی شخصیتیں ہوئیں جن کی فکری سطح اور جن کے عزائم اس زمانے سے کچھ میل نہیں کھاتے اور جو اپنے افکار وخیالات، اپنی خداداد صلاحیتوں، اپنے جوہر و استعداد اور اپنے ذہنی وعلمی کمالات کے لحاظ سے کسی طرح اس دورِ انحطاط کے پیداوار نہیں معلوم ہوتے۔

عقلی و مادی حیثیت سے اور فلسفۂ تاریخ کے اصول سے تو اس کی توجیہ یہ کیجا سکتی ہے کہ ناساز گار حالات، ذہنی کشمکش اور طبعی ردّ عمل نے اسلامی ذہن کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کیا، اور حالات کی ضرب پیہم نے اس سنگ خارہ کو اس سنگ چقماق میں تبدیل کر دیا، جس سے برابر شرارے بلند ہوتے رہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو معاملہ رہا ہے اور اس نے جس طرح اس کی حیات و بقا کی ضمانت کی ہے اُس کے پیش نظر اس گتھی کو سلجھانا اور اس "تضاد" کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں، بلکہ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اس بات کا سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے کہ اس دور انحطاط میں ایسی بلند شخصیتیں کیوں زیادہ پیدا ہوتی رہیں، فاطر کائنات و خالق موت و حیات کی زندگی کے حدی خواں کو ہمیشہ سے یہی ہدایت ہے کہ ؂

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید۔

ہندوستان کا حصّہ اس عالم گیر سیاسی زوال اور فکری اضمحلال میں دوسرے اسلامی ممالک سے زیادہ ہی ہونا چاہئے تھا، یہاں سلطنت مغلیہ اور درحقیقت مسلمانوں کے آخری سیاسی اقتدار کا چراغ ابھی گل ہوا تھا اور اس پر براہ راست انگریزی تسلّط قائم ہوا تھا، جو مسلمانوں کی آخری قوت مقابلہ کا زخم کھا کر مسلمانوں کے لئے ہمدردی و رواداری بلکہ حاکمانہ عدل و انصاف اور مساویانہ سلوک کے جذبات سے بھی خالی، اور جذبۂ انتقام سے بھرپور تھا، یہ سخت اضطراب و انتشار، تحیّر و سرگشتگی، تذبذب و تردد اور بیکسی کسمپرسی کا دور تھا، ایسی حالت میں اگر ہندوستان عظیم و منفرد شخصیتوں سے خالی اور یہاں

قحط الرجال کا دور دورہ ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی، مگر اس کے برعکس یہ دور اکابر رجال و مردان کار کی حیثیت سے بھی، ماہرین فنون، اہل تصنیف و اصحاب فکر کے لحاظ سے بھی، اہل قلوب و اصحاب باطن کے نقطۂ نظر سے بھی، اور تعلیمی و اصلاحی تحریکوں کے اعتبار سے بھی، اور اس حیثیت سے بھی کہ اس دور میں عظیم ترین تعلیمی مرکز اور ادارے (جو صرف درسگاہیں نہیں بلکہ مدارس فکر اور مستقل دبستاں ہیں) قائم ہوئے سارے عالم اسلام میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔

اس دور کی انھیں یگانہ شخصیتوں میں ایک مولانا سید محمد علی مونگیری کی ذات بھی ہے جو جامعیت و توازن کا ایک ایسا نادر مرقع ہے جس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی، للّٰہیت و ربانیت عشق و خدا مستی، کمال اتباع سنت و فنائیت فی الرسول، اسلام کے لئے دلسوزی اور اُمت کی فکر، علو ہمت و بلند نظری، تازگی فکر و جرأت اندیشہ نور بصیرت و فراست ایمانی، حقیقت پسندی و عملیت، زمانہ کی نبض شناسی اور آنے والے خطرات سے آگاہی، وسعت قلب و وسعت نظر، اجتماعی کام کی صلاحیت مختلف الذوق رفقاء کے ساتھ اشتراک عمل و تعاون کے لئے ہمہ وقت آمادگی۔ یہ مختلف و بظاہر متضاد صفات و کمالات ان کی ذات میں اس طرح جمع اور پہلو بہ پہلو ضو فگن ہیں کہ دیکھنے والے کے لئے اور ان کی سوانح کا مطالعہ کرنے والے کی نگاہ ہمہ گیری کے لئے ایک مستقل امتحان بن جاتا ہے، اور وہ پکار اٹھتا ہے کہ ؎

"گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد"

انہوں نے جس طرح "جام و سنداں" اور "شیشہ و آہن" کو جمع کیا، انہوں نے جس محدود ماحول میں رہ کر باہر کی وسیع دنیا دیکھی، جن مبہم و ناتمام اشاروں پر

مستقبل کے خطرات کی واضح نشان دہی اور بلیغ پیشین گوئی کی، جس قانع و زاہد ماحول میں رہ کر جس کے در و دیوار سے

گوش بند و چشم بند و لب بہ بند

کی صدا آرہی تھی، زمانے کے جدید تقاضوں کو محسوس کیا اور ان کے لئے بےچین ہوئے، جس قلیل اثاثہ پر ایک ایسی عالمگیر اور انقلاب انگیز دینی تعلیمی تحریک کی بنیاد رکھی جس کے آگے مصر و ترکی کے مصلحین بھی اس دور میں نہ جا سکے، وہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے اور وہ صرف ان کی فطرت کی ارجمندی اور ان کے جوہر کی تابانی کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا ضمیر و خمیر تنہا اس ماحول اور تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں جو انہوں نے پائی تھی بلکہ اس نسبتِ گرامی کا نتیجہ ہے جو ان کو نسبی و روحانی طریقہ پر حاصل تھی ؎

"تری آگ اس خاکداں سے نہیں"

انیسویں صدی کے اخیر میں انہوں نے ندوۃ العلماء کا وسیع و رفیع تخیّل پیش کیا، جس طرح مقاصد و وسائل کی تنقیح کی، جس طرح قدیم نصاب میں علوم آلیہ کے غلبہ اور کتب معقولات کی بے جا کثرت پر جراُت مندانہ تنقید کی، جس طرح عربیت میں کمال اور علوم اسلامیہ میں مہارت خصوصی پر زور دیا، جس طرح فقہ کی تدوین جدید اور جدید مسائل و ضروریات پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت بیان کی، جس طرح فتنۂ تکفیر اور نزاع باہمی کے اس پُر آشوب دور میں اتحاد مناظرہ و مجادلہ و انتہا پسندی کے اس پُرجوش ماحول میں مسلک اعتدال کی دعوت دی جس طرح انہوں نے مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے فلسفۂ جدید کے مطالعہ اور علوم جدیدہ کی تحصیل پر زور دیا، جس طرح انہوں نے ایک ایسے ماحول میں جس میں ہر جدید چیز بے دینی اور "نیچریت" کا نشان سمجھی جاتی تھی، مفید علوم

اور انگریزی زبان اور تقریر و تحریر کی مشق کی برملا ترغیب دی، جس طرح انہوں نے یگانگی و بدگمانی کے اس دور میں مدارس دینیہ کے وفاق کی دعوت دی، جس طرح انہوں نے مدارس اور انجمنوں کے سالانہ جلسوں میں ملّتِ اسلامیہ کی فکرمندی کے لئے جدید تعلیم یافتہ اصحاب کو دعوت دی اور اُن کو علماء و مشائخ کے پہلو میں بٹھایا اور ان کی طرف تعاون و اعتماد کا ہاتھ بڑھایا، جس طرح انہوں نے حریف و رقیب علماء اور جماعتوں کے "باہم دِگر دست و گریباں" پیشواؤں کو ایک دوسرے سے ملایا اور گلے لگایا، جس طرح انہوں نے علماء و فضلاء مدارس کو حالات زمانہ سے باخبری اور عملی زندگی میں شرکت اور خیر القرون کی طرح مسلمانوں کی رہنمائی کی، ذمّہ داری سنبھالنے کی دعوت دی، جس طرح انہوں نے تمدّن و معیشت اور دین کی خدمت کے لئے اسلام کی عطا کی ہوئی آزادی، اور فقہ کی دی ہوئی گنجائش سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیا اور باوجود اپنے ذاتی و عملی اعلیٰ معیار ورع و تقویٰ کے اجتماعی کاموں میں اس کو نہ صرف گوارا بلکہ ضروری قرار دیا، یہ اور ایسے بہت سے "اولیات" و امتیازات ہیں جن میں اگرچہ آج کوئی ندرت و جدّت نظر نہ آتی ہو، مگر ان میں بہت سی چیزیں اپنے زمانے سے آگے کی تھیں، ان کی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کا اخلاص، جس کا فہم دین، جس کا ورع و تقویٰ ہر شبہ سے بالاتر ہو، اور جس کو خود رسوخ فی العلم کی دولت اور اپنے فہم و بصیرت پر اعتماد کی قوت حاصل ہو، اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان میں سے بہت سی چیزیں جو آج مانوس و بدیہی نظر آرہی ہیں اور ان کو عام طور پر قبول کر لیا گیا ہے اس میں بھی انکے خلوص، سوز و دردمندی اور مسلسل جد و جہد کو دخل ہے۔

اس عظیم و انقلاب انگیز تحریک (ندوۃ العلماء) کے بانی ہونے کے علاوہ ان کی

دوسری حیثیتیں بھی مسلّم و ممتاز ہیں۔ وہ ایک جلیل القدر عالم، ایک عظیم المرتبت مبلّغ و مصلح بھی ہیں، عیسائیت و قادیانیت کے مقابلہ میں ان کا کارنامہ اجتہادی و تجدیدی شان رکھتا ہے، پھر اسکے سوا اور اس سب سے بڑھ کر وہ ایک بلند پایہ شیخ طریقت اور عالی مقام عارف و سالک ہیں جن کے حالات و کیفیات و مقامات و اثرات و برکات متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، اور جن سے ہزاروں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا اور فائز المرام ہوئے غرض وہ ایسے گوناگوں کمالات کے جامع ہیں کہ وہ ایک شخصیت نہیں، بلکہ متعدد باکمال شخصیتوں کا مجموعہ نظر آتے ہیں ؎

"وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں"

تحریک ندوۃ العلماء ماضی کی سرگزشت بھی ہے اور مستقبل کا وہ خواب بھی جو خدا کے ایک برگزیدہ و عالی ہمّت بندہ نے دیکھا تھا، اور جس کی تعبیر پورے طور پر ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ اس عظیم ادارہ کے فرزندوں اور ذمہ داروں کا فرض ہے کہ اس خواب کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

سیّد ابو الحسن علی ندوی

نمبر دو آمد
رام پور رضا لائبریری

عطیۃ عرشی زادہ